

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ط

اشارات

اَتَّبِعُوا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ شَرِّهِمْ
وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ اَوْ لِيَاۡتِيَكُمْ (الاعراف-۱۱)
پیروی کرو اس ہدایت کی جو تمہاری طرف خدا کے پاس
سے نازل کی گئی ہے۔ خدا کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں
کی پیروی نہ کرنے لگو۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يَحْبِبْكُمُ
اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ۔ (آل عمران-۳)
اے نبی کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری
پیروی کرو خدا آنکو دوست بنائے گا اور تمہیں بخش دیگا۔
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ
لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ
اللّٰهَ كَثِيْرًا۔ (الاحزاب ۳-۲)
تمہارے لیے یقیناً اللہ کے رسول میں عمل کا اچھا نمونہ موجود
ہے جو کوئی اللہ کی رحمت کا امیدوار ہو، اور روز آخرت
کے آنے کی توقع رکھتا ہو اس کے لیے تو پیروی کا صحیح نمونہ
دیا ہے

جو لوگ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں یا جنہوں نے کبھی قرآن پڑھا ہے۔ ان کی نظر سے اس کتاب
پاک میں یہ آیات ضرور گزری ہوں گی۔ بہت سوں کو ان کے معانی سے بھی واقفیت ہوگی۔ خصوصاً آخری آیت
سے تو کوئی وعظ اور کوئی اصلاحی خطبہ خالی نہیں ہوتا۔ مگر آج ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ ایک بار پھر یہ
آیات نظروں کے سامنے لائی جائیں، کیونکہ ایسا گمان ہوتا ہے کہ شاید ساری مسلمان قوم ان آیات
کو بھول گئی ہے۔

مُجَلَّہٗ ہر مسلمان اس بات کو جانتا اور مانتا ہے کہ بحیثیت مسلمان ہونے کے ہم کو قرآن اور اسوۂ رسول
 ہی کا اتباع کرنا چاہیے۔ اور ہمارے لیے ہدایت انہی دونوں چیزوں میں ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ ہدایت
 جس کے اتباع کا حکم اس قطعیت کے ساتھ تم کو دیا گیا ہے، آیا اس کا دائرہ صرف طہارت اور استنجار اور
 عبادات اور (باصطلاح زمانہ حال) ”مذہبی“ معاملات ہی تک محدود ہے یا تمہاری زندگی کے چھوٹے
 اور بڑے، دینی اور دنیوی، قومی اور ملکی تمام معاملات پر حاوی ہے؟ نیز یہ ہدایت صرف اس زمانہ
 اس ملک کے لیے تھی جس میں قرآن نازل ہوا تھا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے، یا حقیقت
 یہ زمانی و مکانی قیود سے مبرا ہے اور اس میں ہر زمانے اور ہر ملک کے مسلمانوں کے لیے ویسی ہی سچی اور
 صحیح رہنمائی موجود ہے جیسی ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کے عربوں کے لیے تھی؟ اگر پہلی بات ہے، تب تو
 نفوذ باللہ قرآن کا یہ مطالبہ ہی غلط ہے کہ سب رہنماؤں کو چھوڑ کر صرف اُسی کی پیروی کی جائے، اور
 تمام دنیا کے طریقوں کو ترک کر کے صرف اس ایک شخص کے اسوہ کا اتباع کیا جائے جو ہمارے پاس قرآن
 لایا تھا۔ اس صورت میں تو اتباع کرنے کے بجائے تم کو اپنے ایمان ہی پر نظر ثانی کرنی پڑے گی لیکن اگر
 بات دوسری ہے، تو یہ کیا ماجرہ ہے کہ تم وضو اور غسل کے مسائل میں، نكاح اور طلاق کے معاملات میں،
 ترکے اور وراثت کے مقدمات میں تو اُس حشرِ شیعہ ہدایت کی طرف رجوع کرتے ہو، مگر جن مسائل کے حل پر
 تمہاری قوم کی زندگی و موت کا مدار ہے، ان میں نہیں دیکھتے کہ قرآن تمہیں کونسا راستہ دکھاتا ہے، اور
 محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کس طرف تمہاری رہنمائی کرتی ہے۔

ہندوستان میں ہر طرف ایک جھینپی نظر آتی ہے۔ ساری مسلمان قوم پر ایک پریشانی چھائی ہوئی
 ہے۔ مستقبل کا سوال ایک دشمنی ہندو کی طرح مسلمان کے سامنے اُن کھڑا ہوا ہے اور تقاضا کر رہا ہے کہ
 یا تو میرا معاملہ صاف کر دیا دیا لوں گا تو لیکن اس قوم کا حال کیا ہے؟ جس کا جد ہرمنہ اٹھ رہا ہے چلا
 مار رہا ہے اور جس کے ذہن میں جو بات آ رہی ہے کہہ رہا ہے اور لکھ رہا ہے۔ کوئی مارکس اور لینن کے اُسوے

دانتوں سے پکڑے ہوئے ہٹے کوئی ہٹلر اور موسولینی کی سنت پر عمل کر رہا ہے کوئی گاندھی اور جواہر لال کی پیروی چلا جا رہا ہے۔ کوئی قرآن کی پڑائی فہرست میں ایک نئے فرض کا اضافہ کر رہا ہے۔ کسی پشستوں اور ملازموں کے فی صدی تناسب کا بھوت سوار ہے۔ کوئی حرکت اور عمل کا پجاری بنا ہوا ہے اور ہٹلر کے پیچھے چلا کر اگر پشاور کی گاڑی نہیں چلتی تو اس کماری ہی کی طرف جانے والی گاڑی پر سوار ہو جاؤ، اس لیے کہ منہر مقصود کوئی نہیں، حرکت ہی فی نفسہ مقصود ہے بغرض ہر شخص جو کچھ بول سکتا ہے ایک نئی تجویز قوم کو سناتا ہے۔ اور ہر شخص جو کچھ لکھ سکتا ہے ایک ماہرانہ و مبصرانہ مقالہ لکھ کر شائع کر دیتا ہے مگر اس تمام شور و شغب اور اس پورے ہنگامے میں کسی کو بھی یہ یاد نہیں آتا کہ ہمارے پاس قرآن نامی بھی کوئی کتاب ہے جس نے زندگی کے ہر مسئلہ میں ہماری رہنمائی کا ذمہ لے رکھا ہے، اور ہم سے کبھی یہ بھی کہا گیا تھا کہ زندگی کے ہر معاملے میں تمہارے لیے ایک علی نمونہ موجود ہے۔

مسلمانوں کو مختلف راستوں کی طرف بلایا جا رہا ہے۔ ہر راستہ کی طرف بلانے والوں میں بڑے بڑے مقدس علماء ہیں۔ بڑے بڑے نامور لیڈر ہیں۔ بڑے بڑے زبان آور خطیب اور ماہر فن افشا پرداز ہیں۔ ہر دہائی کے سرے پر ایسے لوگ کھڑے ہیں جن کی آزمودہ کاری سلم، قوی خدمات ناقابل انکار، اور سیاسی مہارت و بصیرت معروف و مشہور ہے۔ ہر ہٹلر بڑی قابلیت کے ساتھ اپنے اپنے راستے کے نشیب و فراز دکھا رہا اور دوسرے راستوں کے خدشات بیان کر رہا ہے۔ یہ سب کچھ بہت قابل قدر ہے مگر مسلمان کی فطرت کہتی ہے کہ ایتونی شیئا من کتاب اللہ و سنتہ سر سولہ حتی اقول۔ میرے سامنے شخصیتوں کو نہ لاؤ۔ کوئی شخص خواہ کتنا ہی بڑا آدمی ہو، عالم و فاضل ہو، مفسر قرآن ہو، معلم حدیث ہو، ماہر سیاست ہو، عمل اور قربانی کا نمونہ ہو، اس کی حرمت میرے سر اور آنکھوں پر، مگر جو ہدایت وہ دے رہا ہے، اگر وہ اس کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے تو میرے لیے لائق اتباع نہیں۔ ہاں اگر وہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ

میں سے کوئی دلیل اپنے پاس رکھتا ہے تو شخصی غمٹ کی آمیزش سے الگ کر کے اس کو اور صرف اس کو سامنے لاؤ، اس لیے کہ وہی لائق اتباع ہے، اسی میں سچی ہدایت ہے اور اسی کی پیروی میں صلاح و نجات ہے۔ اس کے بتائے ہوئے راستے میں خواہ کتنے ہی خدشات ہوں، کتنی ہی دشواریاں رکھنے ہی نقصانات ہوں، آخری اور دیر پا اور یقینی کامیابی اسی کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے۔

آئیے آج اسی نقطہ نظر سے قرآن اور سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر غور کریں کہ ہمارے اس وقت کے قومی مسائل میں اس کے اندر کیا ہدایت ہے۔ کچھ پروا نہیں اگر کوئی اس کو دقیانوسیت اور حجت پسندی کہہ کر ناک بھوں چڑھائے۔ حالات جدید سہی، مسائل وقتی سہی، جزائی ماحول مختلف سہی۔ مگر جس ہدایت کی طرف ہم رجوع کر رہے ہیں، ہمارا ایمان ہے کہ وہ ہر زمانے میں جدید ہے، ہر دور میں وقتی ہے، اور ہر جزئی ماحول میں مقامی ہے۔

ہیں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت آپ کے وطن کی سیاسی حالت کیا تھی اور اس حالت میں آپ نے کیا طرز عمل اختیار کیا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ اس وقت عرب ہر طرف امپیریٹ طاقتوں سے گھرا ہوا تھا اور خود ملک کے اندر ہمسایہ قوموں کا امپیرلزم نفوذ کر چکا تھا۔ آپ کی پیدائش سے چند ہی روز پہلے حبشی فوجیں یلغار کرتی ہوئی خاص اس شہر تک پہنچ گئی تھیں جس میں آپ پیدا ہوئے۔ عرب کا سب سے زیادہ زرخیز صوبہ یمن، پہلے حبشیوں کے اور پھر ایرانیوں کے تسلط میں جا چکا تھا۔ عرب کے جنوبی اور مشرقی سواحل ایرانیوں کے زیر اثر تھے۔ عراق عرب کا علاقہ نجد کے حدود تک ایرانیوں کے اثر میں تھا۔ شمال میں عقبہ و معان تک بلکہ تبوک تک سلطنت روم کے اثرات پہنچے ہوئے تھے۔ دونوں ہمسایہ سلطنتیں عرب کے قبائل کو اپنی اغراض

کے لیے ایک دوسرے سے لڑا کرتی تھیں اور اندرون عرب میں اپنے اثرات پھیلا رہی تھیں۔ متعدد مرتبہ قسطنطنیہ کا قیصر مکہ کی چھوٹی سی ریاست کے معاملات میں مداخلت کر چکا تھا۔ عربی قوم کو ہر ملک گیر طاقت اپنے قبضہ میں لانا چاہتی تھی، کیونکہ اس قوم کا ملک بنجر تھا، مگر قوم بنجر نہ تھی۔ جہاں گیری کے لیے بہترین سپاہی اس سے فراہم ہو سکتے تھے۔

ان حالات میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ نے کیا کیا؟ اگرچہ آپ کو اپنے وطن اور اپنی قوم سے فطری محبت تھی، اور آپ سے بڑھ کر حریت پسند کوئی نہ تھا، مگر آپ نے ایک قوم پرست (Nationalist) یا وطن پرست (Patriot) کی حیثیت اختیار نہ کی بلکہ ایک حق پرست اور خدا پرست کی حیثیت اختیار کی۔ آپ کی نگاہ میں مقدم کام یہ تھا کہ اپنے اہل وطن کی قوت کو مجتمع کر کے اجنبی استیلا کی جڑیں خاک وطن سے اکھاڑ پھینکیں بلکہ ہر دوسرے کام سے مقدم یہ تھا کہ حق پرستوں کا ایک جتہا بنائیں اور اس کے اندر ایک ایسی طاقت پیدا کر دیں کہ وہ صرف عربی میں نہیں بلکہ خود روم و ایران میں بھی ظلم و عدوان کے استیلا کا خاتمہ کر دے۔ آنحضرت کے اہل وطن آپ کے بہترین اوصاف سے واقف تھے۔ انہوں نے عرب کی پادشاہی کا تاج آپ کے سامنے پیش کیا تھا اس شرط پر کہ آپ اپنے اس جتھے کی توسیع و تنظیم سے باز آجائیں۔ اگر آپ وطن پرست ہوتے تو خدا ست وطن کا اس سے بہتر موقع اور کونسا ہو سکتا تھا۔ مگر آپ نے اس تاج کو ٹھکرا دیا، اور اسی کام میں لگے رہے جس کے بار آور ہونے کی کم از کم اس وقت کوئی شخص امید نہ کر سکتا تھا۔ اس وقت آپ کی جمعیت دس بارہ آدمیوں سے زیادہ نہ تھی۔ تمام ملک میں کوئی قبیلہ اور کوئی گروہ آپ کا ساتھی نہ تھا بلکہ سب مخالف اور سخت مخالف تھے۔ ظاہر اسباب کے لحاظ سے کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ اس کی کم کب کامیاب ہوگی جس کو آپ نے کر لٹھے تھے۔ اس بات کا ہر وقت امکان تھا کہ واقعہ فیل کی طرح کا کوئی دوسرا واقعہ پھر پیش آجائے اور حجاز بھی بین اور ارض غسان

کی طرح اجنبی حکومت کا غلام بن جائے۔ مگر آپ نے ہر حال میں یہی ضروری سمجھا کہ پہلے حق پرستوں کی جمعیت کو بڑھائیں اور مضبوط کریں، پھر جیسی صورت حال ہو اس کے مطابق ملکوں اور غیر ملکوں کے ساتھ کوئی معاملہ کریں۔

اس کی کیا وجہ تھی؟ کیا آپ ”کیونسلٹ“ تھے؟ کیا آپ نعوذ باللہ اپنے وطن کے غدار تھے؟ کیا خاکم بدہن آپ غیر ملکی امپیریلزم کے ایجنٹ تھے؟ ہرگز نہیں۔ تاریخ کے ناقابل انکار حقائق گواہ ہیں کہ کسی فرزند وطن نے اپنے وطن کو اتنی سربلندی عطا نہیں کی جتنی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت عرب کو نصیب ہوئی۔ اور تاریخ ہی اس بات پر بھی گواہ ہے کہ کسی داعی دین نے غیر مذہب والوں کے ساتھ اتنے تحمل، اتنی فیاضی، اتنی رواداری اور اتنی فراخ حوصلگی کا برتاؤ نہیں کیا۔ پھر یہ بھی دنیا کو معلوم ہے کہ اللہ کے رسول نے کبھی رویوں کی تقسیم اور منافع کے بٹوارے کا سوال ہی نہیں اٹھایا۔ آپ نے کبھی ملکی زندگی میں اس بنیاد پر مصالحت کی کہ ریاست قریش کے دارالندوہ اور جنگی و سیاسی عہد میں مسلمانوں کی اتنی نماندگی ہو، اور نہ مدنی زندگی میں اس مسئلہ کو مدار صلح قرار دیا کہ یہود کے معاشی وسائل میں مسلمانوں کا اتنا حصہ ہو۔

اب غور کیجیے کہ جب دہائی کیونلزم تھا نہ وطن دشمنی تھی نہ اعدائے وطن سے ساز باز تھا، تو پھر کونسی چیز تھی جس کی بنا پر آپ نے عرب کی سیاسی نجات اور تمدنی و معاشی ترقی پر اپنی بہترین قوتوں اور قابلیتوں کو صرف کرنے سے انکار کیا اور ہر کام سے پہلے خدا کا نام لینے والوں کی ایک طاقت و جمعیت بنانا اور زمین میں اس کا دبیرہ قائم کرنا ضروری سمجھا؟ اس کا جواب ایک اور صورت ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نصب العین وطن پرشکے نصب العین بالکل مختلف تھا اس نصب العین کی راہ میں باہر کے قیصر و کسریٰ اور گھر کے ابو جہل و ابولہب دونوں یکساں سدا رہ تھے۔ اس نصب العین

حاصل کرنے کے لیے ناگزیر تھا کہ واقعات کی رفتار اور ملک کے مستقبل اور آئندہ کے امکانی خدشات سب کی طرف سے بے پروا ہو کر ایک ایسی جماعت کو منظم کیا جائے جو باطل کے غلبہ کو کسی صورت میں قائم نہ رہنے دے اور اپنی طاقت سے زمین میں ایسی حالت قائم کر دے جس میں خدا پرستانہ تہذیب امن کے ساتھ پھل پھول سکے۔ **حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ بِاللهِ**۔

وہی نصب العین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان قوم کو دے گئے ہیں۔ مسلمان قوم ایک قوم ہی اس بنیاد پر بنی ہے کہ یہ نصب العین اس کے تمام افراد کا مشترک اور واحد نصب العین ہے۔ اس نصب العین کو سلب کر لیجیے پھر مسلمان قوم کسی قوم کا نام نہیں ہے۔ یہاں عرب اور عجم کی کوئی خصوصیت نہیں زمان و مکان کا کوئی سوال نہیں۔ مسلمان اگر مسلمان ہے تو ہر حال میں یہی اس کا نصب العین ہے۔

اب ایک دوسری نظر اسی کتاب ہدایت اور اسی سیرت پاک پر ڈالیے۔

یہ جتھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا تھا، اس کی بنیاد کسی مادر وطن کی فرزند کی نسل کے انتساب کسی سیاسی و معاشی مفاد کے اشتراک پر نہ تھی، بلکہ ایک مخصوص عقیدے اور ایک مخصوص طرز عمل پر تھی۔ اس کو جوڑنے والی طاقت خدا کی محبت اور بندگی تھی نہ کہ اغراض کی محبت اور مادی مقاصد کی بندگی۔ اس کی طرف لوگوں کو بلانے والا نعرہ، اذان کا نعرہ تھا نہ کہ وطنیت کا نعرہ۔ اس کے اجزاء کو سمیٹ کر ایک بنیان مرموص بنانے والی چیز ایک ان دیکھے خدا کی عبادت تھی نہ کہ کوئی موسمرئی علامت۔ اس کو حرکت میں لانے والی چیز رضائے الہی کی طلب تھی نہ کہ منافع مادی کی طلب۔ اس میں عمل کی گرمی پھونکنے والی قوت اعلائے کلمۃ اللہ کی خواہش تھی نہ کہ نسل و وطن کو سر بلند کرنے کی تمنا۔ اس قوم کے نفعیات دنیا سے نہ لائے ہیں۔ جو چیزیں دوسروں کو جمع کرنے والی ہیں وہ اس قوم کو منتشر کر دینے والی ہیں۔ جو صدائیں اپنے اندر دوسروں

کے لیے غیر معمولی تشش رکھتی ہیں وہ اس قوم کے دل میں الٹی نفرت پیدا کر دیتی ہیں جن مرنی علامتوں پر دوسرے گمرویدہ ہوتے ہیں یہ ان کے لیے کوئی جذبہ عقیدت اپنے اندر نہیں پاتے جن چیزوں میں دوسروں کو گرما دینے کی طاقت ہے وہ ان کے دلوں میں الٹی سردی پیدا کر دینے کا اثر رکھتی ہیں، جو چیزیں دوسروں کو عمل پر ابھارنے والی ہیں وہی ان کو میدانِ عمل سے دور بھگانے والی ہیں۔ سارے قرآن کو اٹھا کر دیکھ جاؤ۔ پوری سیرت نبوی پر نظر ڈالو۔ خلافت راشدہ کے دور سے اس زمانہ تک کی اسلامی تاریخ پڑھ لو۔ تم کو معلوم ہو جائیگا کہ اسلام کی فطرت کیا ہے اور مسلمان قوم کا مزاج کس قسم کا ہے۔ جو قوم اس سوال پر صدیوں سے جھگڑ رہی ہے کہ نبی پر سلام بھیجتے وقت بھی کھڑ ہونا چاہیے یا نہیں، کیا تم توقع رکھتے ہو کہ وہ ”بندے ماترم“ کا گیت سننے کے لیے تعظیماً کھڑی ہوگی؟ جس قوم کے دل میں مریات سے عقیدت کے بجائے سخت نفرت بھائی گئی ہے کیا تمہیں امید ہے کہ وہ کسی جھنڈے کو سر جھکا کر سلامی دے گی؟ جو قوم تیرہ سو برس تک خدا کے نام پر بلائی جاتی رہی ہے کیا تم سمجھتے ہو کہ اب وہ بھارت، تاناکے نام پر پروانہ دار دوڑتی چلی آئے گی جس قوم کے دل میں عمل کی گرمی پیدا کرنے والا داعیہ اب تک محض اعلیٰ کلمۃ اللہ کا داعیہ رہا ہے، کیا تمہارا گمان ہے کہ اب محد سے اور بدن کے مطالبات اس میں عارت پھونکیں گے، یا کونسلوں کی نشستوں اور ملازمتوں کے تناسب کا سوال اس کے قلب و روح کو گرما دے گا؟ جس قوم کو عقیدے اور عمل کی وحدت پر جمع کیا گیا تھا، کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ وہ سیاسی اور معاشی پارٹیوں میں تقسیم ہو کر کوئی طاقت علیٰ قوم بن جائے گی؟ تخیل کی بنا دوں پر نظریات کی عمارتیں اٹھانے والے جو چاہیں کہیں۔ مگر جس کسی نے قرآن اور سنت سے اسلام کے مزاج کو سمجھا ہے وہ بادی تاںل یہ رائے قائم کر سکتا ہے کہ مسلمان قوم کی فطرت جب تک بالکل مسخ نہ ہو جائے، وہ نہ تو ان محرکات سے حرکت میں آ سکتی ہے اور نہ ان محرکات کے ذریعہ سے جمع ہو سکتی ہے۔ غیر مسلم بلاشبہ ان ذرائع سے جمع ہو جائیں گے اور ان میں حرکت بھی ان محرکات سے پیدا ہو جائے گی کیونکہ ان کو جمع کرنے اور حرکت میں لانے والی کوئی اور چیز نہیں ہے۔ ان کا مذہب

انہیں منتشر کرتا ہے اور صرف وطن کی خاک ہی ان کو جمع کرتی ہے۔ ان کے معتقدات ان کے دلوں کو سروا لے ہیں۔ ان میں حرارت صرف معدے ہی کی گرمی سے پیدا ہو سکتی ہے۔ گو مگر مسلمان جس کو خدا کے نام پر جمع کیا گیا تھا اور جس میں ایمان کی گرمی چھونکی گئی تھی، آج تم اس کو ذلیل مادی چیزوں کے ناپ جمع نہیں کر سکتے اور نہ ادنیٰ درجہ کی خواہشات سے اس میں حرارت پیدا کر سکتے ہو۔ اس طریقہ میں اگر تم کو کامیاب نصب بھی ہو سکتی ہے تو صرف اس وقت جبکہ تم مسلمان کو فطرت اسلام سے ہٹا دو اور اسے بلندیوں سے گرا کر پستیوں میں لے آؤ۔

اس کے معنی یہ نہ سمجھو کہ مسلمان وطن کا دشمن ہے۔ ہرگز نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وطن کی اصلاح و ترقی کے لیے کیا کچھ نہیں کیا؟ خلفائے راشدین نے وطن اور انبائے وطن کی کیا کچھ خدمت کی؟ بعد کے مسلمان جس جس ملک میں گئے کیا انہوں نے اس کو حثت بنا کر نہیں چھوڑا؟ غیر مسلم قوموں کے ساتھ نفاضانہ معاملہ کرنے میں کیا کبھی کوئی کوتاہی کی گئی؟ پس اوپر ہم نے جو کچھ کہا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان اپنے ملک یا اپنی قوم کے معاشی اور تمدنی مسائل سے بالکل بے پروا ہے بلکہ سمجھنا یہ بات ذہن نشین کرنا چاہیے ہیں کہ مسلمان کی اصلی قوت محرکہ یہ چیزیں نہیں ہیں اس کی جمعیت ان بنیاد پر قائم نہیں ہوئی ہے۔ اس میں زندگی کی حرارت پیدا کرنے والی چیز یہ نہیں ہے۔ وہ طاقتور اور منظم ہونے کے بعد ان سب مسائل کو حل کرنے میں حصہ لے سکتا ہے اور دوسروں سے بڑھ کر حصہ لے سکتا ہے، اگر اس کو طاقتور اور منظم بنانے کے ذرائع یہ نہیں ہیں، بلکہ کچھ اور ہیں۔

آج ایک قدم اور آگے بڑھیے یہ دیکھیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نئی قوم کن طریقوں سے بنائی تھی اور اس میں کن ذرائع سے وحدت اور قوت عمل پیدا کی تھی۔

جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت لے کر اٹھے تھے تو ساری دنیا میں تنہا آپ ہی ایک مسلم تھے۔ کوئی آپ کا ساتھی اور ہم خیال نہ تھا۔ دنیوی طاقتوں میں سے کوئی طاقت آپ کو حاصل بھی نہ ہوئی۔ اگر دوپیش جو لوگ تھے ان میں خود سری اور انفرادیت انتہا درجہ پر پہنچی ہوئی تھی۔ ان میں سے کوئی کسی کی بات سننے اور اطاعت کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ وہ نسل اور قبیلہ کی عصبیت کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ ان کے ذہن ان خیالات اور مقاصد سے کوئی دور کا لگاؤ بھی نہ رکھتے تھے جن کی تبلیغ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے تھے۔ اس ماحول اور ان حالات میں کوئی طاقت تھی جس سے ایک تنہا انسان بے یار و مددگار اور بے وسیلہ انسان نے لوگوں کو اپنی طرف کھینچا؟ کیا آنحضرتؐ نے عربوں کو یہ لالچ دیا تھا کہ میں تم کو ترین کی حکومت دلوں گا؟ رزق کے خزانے دلوں گا؟ دشمنوں پر فتح اور غلبہ بخون و شمشیر؟ بیرونی غاصبوں کو نکال باہر کروں گا اور عرب کو ایک طاقتور سلطنت بنا دوں گا؟ تمہاری تجارت اور صنعت و حرفت کو ترقی دوں گا، تمہارے وسائل معیشت بڑھاؤں گا اور تمہیں ایک ترقی یافتہ اور غالب قوم بنا کر چھوڑ دوں گا؟ ظاہر ہے کہ ایسا کوئی لالچ آپ نے نہیں دلایا تھا۔ پھر کیا آپ نے امیروں کے مقابلہ میں غریبوں کی اور سرمایہ داروں اور زمینداروں کے مقابلہ میں مزدوروں اور کاشتکاروں کی حمایت کا بیڑا اٹھایا تھا؟ سیرت نبویؐ گواہ ہے کہ یہ چیز بھی نہ تھی۔ پھر کیا آپ نے کوئی سیاسی یا قبیلہ یا تمدنی یا معاشی یا فوجی تحریک اٹھائی تھی اور اس کی طرف لوگوں کو کھینچنے کے لیے نفسیاتی عربوں سے کام لیا تھا؟ واقعات شاہد ہیں کہ ان میں سے بھی کوئی چیز نہ تھی۔ پھر غور کیجیے کہ آخر وہ کس چیز کی کشش تھی جس نے عربی اور عجمی، امیر اور غریب، آقا اور غلام سب کو آپ کی طرف کھینچا؟ دنیا جانتی ہے کہ وہ صرف دو چیزیں تھیں۔ ایک قرآن کی تعلیم۔ دوسرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت۔ لوگوں کے سامنے یہ پیغام پیش کیا گیا تھا کہ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكْ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ اِنَّ كُوْا س بات پر جمع کیا گیا تھا کہ

اَسْمِعُوا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ اَوْلِيَاءَ اِنَّ كُوَيْلِيْمَ دِي گئی تھی کہ
اِنَّ صَلَوتِيْ وَتَسْبِيْحِيْ وَخِيَايَ وَمَمَاتِيْ بِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ ان کے سامنے یہ نصیبین
رکھا گیا تھا کہ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَلَكْنٰهُمْ فِيْ اَرْضٍ اَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَامْرُوْا
بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ۔ پھر جس شخص نے ان کو یہ دعوت دی تھی اس کا حال یہ تھا کہ
کان خالقہ القرآن۔ وہ جو کچھ کہتا تھا سب سے پہلے اور سب سے بڑے کر خود اس پر عمل کر کے دکھاتا
تھا۔ وہ فضیلت اخلاق اور عمل صالح کا مجسمہ تھا، اور اس کی زندگی میں راست بازی و راست روی
کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

یہ دو چیزیں بغیر خنہوں نے ہر طرف سے لوگوں کو کھینچا اور وہ قوم بنادی جس کا نام مسلمان ہے۔
نوع انسانی کے مختلف طبقوں اور گروہوں میں سے جن جن لوگوں کے لیے ان دو چیزوں میں کوئی کشش تھی،
وہ اس مرکز کی طرف کھینچے چلے گئے اور انہی سے مسلمان قوم وجود میں آئی دوسرے الفاظ میں اس حقیقت کو
یوں سمجھیے کہ اسلامی جمعیت نام ہی اس جمعیت کہ ہے جو قرآن اور سیرت محمدی کی کشش سے وجود میں آئی
ہے۔ جہاں زندگی کے وہ اصول اور مقاصد ہوں گے جو قرآن نے پیش کیے ہیں، اور جہاں طرز عمل وہ
ہوگا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، وہاں ”مسلمان“ جمع ہو جائیں گے، اور جہاں یہ دونوں چیزیں نہ
ہوں گی وہاں ان لوگوں کے لیے قطعاً کوئی کشش نہ ہوگی جو ”مسلمان“ ہیں۔ اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ہمارے
تحریکات میں بنیادی نقص کونسا ہے جس کی وجہ سے مسلمان کسی تحریک کی طرف بھی فوج در فوج نہیں کھینچتے
اور ہر داعی کی آواز بہرے کانوں سے سنتے ہیں۔ ان کی فطرت وہ آواز سننا چاہتی ہے اور وہ طرز عمل
دیکھنا چاہتی ہے جس کی کشش نے ان کو ساری دنیا سے الگ ایک قوم بنایا تھا۔ مگر افسوس کہ نہ وہ
آواز کسی طرف سے آتی ہے اور نہ وہ طرز عمل کہیں نظر آتا ہے۔ بلانے والے ان کو ایسے مقاصد کی طرف

بلاتے ہیں جو ان کی زندگی کے اصلی مقاصد نہیں ہیں اور رہنمائی کے لیے اٹھتے ہیں تو وہ جن کی سیرت میں محمد رسول اللہ کی سیرت کی ادنیٰ جھلک تک نظر نہیں آتی جہو سلیں بڑی بڑی امیدیں لے کر ہر نئی تحریک کی طرف دوڑتے ہیں مگر مقاصد کی پستیاں اور عمل کی خرابیاں دیکھ کر ان کے دل ٹوٹ جاتے ہیں۔

خیر یہ ایک دوسری داستان ہے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق تنظیم پر غور کیجئے کہ مسلمان قوم کی تنظیم اگر ہو سکتی ہے تو اسی طریق پر ہو سکتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی جمعیت اس ڈھنگ کی بنائی تھی کہ پہلے تو آپ نے انسانی گردہ میں صفے ان لوگوں کو چھانٹ لیا جن کی فطرت میں ایک خالص صداقت اور ایک پاک زندگی کی طرف کھینچنے کی صلاحیت تھی۔ پھر تعلیم و تربیت کے بہترین ذرائع سے کام لے کر ان میں سے ایک ایک فرد کی اصلاح فرمائی، اس کے دل میں زندگی کا ایک مقصد بٹھا دیا۔ اور اس کے بیکر کثیر میں اپنی مضبوطی پیدا کی کہ وہ اُس مقصد کے لیے جم کر جدوجہد کرے اور کسی فائدہ کا لالچ یا کسی نقصان کا خوف اسے اُس مقصد کی راہ سے نہ ہٹا سکے۔ اس کے بعد ان افراد کو مل کر ایک جماعت بنادیا تاکہ افراد میں جو کچھ کمزوریاں باقی رہ جائیں، جماعت کی طاقت ان کو دور کرے، اجتماعی ماحول ایسا بن جائے جس میں بھیاں پرورشیں اور افراد اپنے مقصد حیات کی تکمیل میں ایک دوسرے کے مددگار ہوں اور اجتماعی طاقت سے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کریں اور یہی شال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی ماہر فن انجینئر انٹیوں کے ڈھیر میں سے جماعت کو بہترین پیش لے، پھر ان کو اس طرح پکائے کہ ایک ایک اینٹ بجائے خود پر پختہ ہو جائے۔ پھر ان سب کو نہایت عمدہ سینٹ سے جوڑ کر ایک محکمہ کا رت بنادے۔

اس تنظیم کے بڑے بڑے اصول یہ تھے :-

۱۔ جماعت کے تمام افراد کم از کم دین کے جوہر سے واقف ہوں تاکہ وہ کفر و اسلام میں تمیز کر کے اسلام کے طریقہ پر چھوڑ سکیں۔
۲۔ اجتماعی عبادات کے ذریعہ سے افراد میں اخوت، مساوات اور تعاون کی اسپرٹ پیدا کی جائے۔

۳۔ جماعت کے تمدن و معاشرت میں ایسے امتیازی خصائص اور حدود و مقررات کیے جائیں جن سے وہ دوسری قوموں میں نہ ہو سکیں اور باطنی و ظاہری دونوں حیثیتوں سے ایک لگ قوم بنے ہیں ایسی یہ تشبہ بالاجانب کی سختی کے ساتھ منافعت کی گئی۔

تمام اجتماعی ماحول پر مبنی معروف و نہی عن النکر چھایا رہے تاکہ جماعت کے دائرہ میں کوئی انحراف اور کوئی نفاذ نہ ہو۔ پوری مسلمان قوم ایک اکبر ہو اور ہر مسلمان مرد اور عورت کو مجرد اسلامی حق کی بنا پر اس کی کینیت کا مساویانہ مرتبہ حاصل ہو ایسے تمام انسابات اور امتیازات کو مٹا دیا جائے جو مسلم اور کلم میں تفریق کرتے ہوں۔

جماعت کے تمام افراد ایک نصب العین پر متحد ہوں اور اس کے لیے جدوجہد و قربانی کرنے کا جذبہ بن میں موجود ہو ایک صرف اسی نصب العین کی خدمت کے لیے وقف رہے اور بقیہ افراد جماعت اپنی محاش کے لیے جدوجہد کرنے کے ساتھ ساتھ پہلے کردہ کی ہر گن طریقہ سے مدد کرتے رہیں، غرض ہر فرد جماعت کے دل میں خیال بٹھا ہوا ہو کہ اس کی زندگی محض اس کی اپنی ذات کے لیے نہیں ہے بلکہ اس ایک فی نصب العین کے لیے ہے۔

تنظیم کے یہ اصول تھے جن سے وہ زبردست جماعت پیدا ہوئی جو دیکھتے دیکھتے آدھی دنیا پر چھا گئی اس طبعی نظم کی قیادت میں بہت سست تھی حتیٰ کہ چند برس تک وہ چند سینکڑوں کے زیادہ افراد کو اپنے دائرہ میں نہ لا سکی مگر اس میں قیادت رکھا گیا تھا کہ توسیع کے ساتھ ساتھ استحکام بھی ہوتا رہے اس لیے یہ نظام جماعت متناہی بنا گیا اتنا ہی مضبوط ہوتا چلا گیا یہاں تک جب ایک مستعد جماعت اس طبعی تنظیم کو جو وہ اتنی طاقت کے ساتھ لے کر دنیا کی کئی چیزیں کے بدلے وال کو نہ روک سکی قرآن مجید میں لکھی جھوٹی سی تبدیلی پر ترقی پھر غیر معمولی شان و شوکت کے ساتھ اس کے خلیفہ کیسے بیخ انداز میں بیان کیا گیا ہے: کَذَرَعَ أَخْرَجَ شَطَاةً قَانَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لَيْفَظَ الْكُفَّاءُ مسلمان قوم کے مزاج کے ساتھ ہی طبعی تنظیم مناسبت رکھتا ہے۔ یہ قوم قیہیل سے ایک جمیت اس جمیت کے اندر کوئی ایک جمیت نام سے بنانا اور مسلمان کے درمیان کوئی روئی یا کسی ظاہری علامت یا کسی خاص نام یا کوئی خاص ملک سے فرق و امتیاز پیدا کرنا، اور ان کے مختلف ریٹوں میں تقسیم کر کے اندر جماعتوں، فرقوں کی عیسیتیں پیدا کرنا یہ دراصل مسلمانوں کو مضبوط کرنا نہیں ہے، بلکہ ان کو اور کمزور کرنا ہے تنظیم نہیں فرقہ پر داری اور گردہ بندگی، لوگوں نے انھیں بند کر کے جمیت بازی کے یہ طریقے ال غریب سے لیے ہیں مگر ان کو معلوم نہیں کہ جو چیز دوسروں کو بڑے کر رہی ہے وہ مسلمان قوم کے بچے کو ملوث نہیں کرتی اس لیے کہ اگر کوئی چیز اس آسکتی ہے تو وہ ایک ایسی جمہوریت کے سر ہے جو پوری قوم کو ایک اکبر سمجھ کر شروع کی جائے جس میں سب کے سب کے اسی سبک کا ہونا رکھا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غوطہ نہ کھایا ان کے اور کمزور کرنے کی لیکریت کی سطح پر ایک بڑی عمارت کھڑی کر دیں گے اور اس قلعے کا کام لینا چاہیں گے تو لامحالہ وہ قیل و حدیث کی ایک نثر بھی نہ پھیل سکے گی۔